خالدہ حسین کے افسانوں کی فکری جہات

ڈاکٹر ناہید قمر

Dr. Naheed Qamar

Abstract:

Khalida Hussain is a renowned fiction writer of Post-Partition era. While depicting the themes related to existentialism and feminism, her symbolic patterns of style create multiple layers of semantic appeal. This article attempts to explore the contours of Khalida Hussain's creative expression in her short stories.

اُردو افسانے کے آغاز سے ہی دو فکری دھارے ساتھ ساتھ چلے۔ بعض مقامات پر ایک دوسرے سے مل بھی گئے لیکن ان دونوں دھاروں کی الگ الگ پہچان قائم رہی۔ ایک طرف پریم چند پیرا ڈائم ہے جو حقیقت نگاری کا علمبردار ہے اور دوسری طرف یلدرم پیراڈائم ہے رومانی نقطہ نگاہ کا حامل۔ علی گڑھ تحریک کی سیاسی بیداری، روشن خیالی اور اصلاحی جوش کے ساتھ ساتھ فرد کی آزادی کا نعرہ رفتہ رفتہ ایک باغیانہ بازگشت میں تبدیل ہو کر افسانے میں گونجنے لگا۔ اخلاق اور مذہب سے بیزاری کا ایک نیا تصور رومانی تخیل کے سہارے اُردو افسانے میں داخل ہوا۔ یہی رویہ ''انگارے'' کا پیش خیمہ بنا۔ نظریات کے اعتبار سے یہ ایک روایت شکن تحریک تھی۔ یہ تبدیلی وقت کی اہم ضرورت تھی۔ ترقی پسند تحریک کے زوال کے بعد افسانے میں جو رجحانات نمایاں ہوئے ان میں علامت، سرئیل ازم، وجودیت، استعارہ سازی اور تجریدیت کی رو ابھری۔ اس کے اسباب میں بین الاقوامی اثرات کے علاوہ ہمارے ہاں کی گھٹن آمیز فضا بھی تھی۔ چنانچہ انتظار حسین، انور سجاد اور رشید امجد کے ساتھ بیانیہ کے اس پیراڈائم میں خواتین کی نمائندگی خالدہ حسین نے کی۔

خالدہ حسین کا شمار ان افسانہ نگاروں میں ہوتا ہے جنھوں نے اُردو افسانے کو نیا لہجہ اور نئی معنویت عطا کی۔ ان کے افسانوں میں خارج کی واقعیت سے ہٹ کر انسان کے باطن کی کہانی علامتی انداز میں بیان ہوئی ہے۔ ان کی فکر انگیز کہانیاں ایک نئی دنیا کا دروازہ کھولتی ہیں جو قاری کو خود اپنی ذات کی پہچان میں مدد دیتا ہے مگر ان کی کہانیوں کا دائرہ صرف ذات کے اسرار تک پھیلا ہوا نہیں ہے بلکہ وہ اسرارِ کائنات تک رسائی کی کوشش بھی کرتی ہیں۔ ذات اور کائنات کے اسرار کی دھند ان کہانیوں میں کہیں دبیز ہے اور کہیں

اتنی ہلکی کہ اس کہ آر پار دیکھا جا سکتا ہے۔

اسسٹنٹ پروفیسر، شعبۂ اُردو، وفاقی اُردو یونیورسٹی برائے فنون، سائنس وٹیکنالوجی، اسلام آباد

''۱۔شیریں کی ساری کہانی یہی دن رات کی کاٹ تھی۔ بڑے سیّد جی اور شاہ جی کا وقت ایک تھا، جو دن کی دہلیز پار کر کے رات میں پہنچتا اور پھر صبح ہوتے اسی دہلیز سے لوٹ آتا۔ مگر اس کے دو وقت تھے اور ان دو وقتوں کی دُنیائیں الگ الگ تھیں اور ان کے بیچ کوئی راستہ نہ تھا۔''(۱)

۲۔''وقت کی قید دراصل وجود کی قید ہے۔''(۲) (سرنگ)

زندگی کی فنا پذیری کا ادراک اور انسانی وجود پر اس ادراک کے اثرات کا اظہار اپنی بنیاد میں ایک وجودی رویہ ہے۔ خالدہ حسین کے افسانوں میں بھی زمانیت کے احساس کو مختلف زاویوں سے دیکھتے ہوئے وجودی تناظر میں یہ نقطہ واضح کیا گیا ہے کہ اپنی تمام تر جبریت کے باوجود یہ وقت ہی ہے جو انسان کے لئے شعورِ ذات کا وسیلہ بنتا ہے۔ اسی حوالے سے خالدہ حسین کے افسانوی مجموعے ''دروازہ'' کے دیباچے میں ڈاکٹر محمد اجمل لکھتے ہیں:

''خالدہ حسین کے ہاں غالباً اپنے وجود کے حقائق میں الجھے رہنا یا ان کے توسط سے اپنے وجود کی تلاش کرنا اپنے وجود سے فرار کے مترادف ہے۔ وہ وجود کی تلاش میں اپنی حسیات اور تصورات کو شعور میں لاتی ہیں۔''(۳)

خالدہ حسین کے افسانوں کی عورت عدم تحفظ اور تشکیک کا شکار ہے۔ اس کے خدو خال درمیانے طبقے سے ابھرتے ہیں۔ یہ جانے پہچانے کردار کا فنکارانہ تدبیر کاری کے سبب تجریدی اور ماورائی فضا میں تبدیل ہو کر زندگی کے تناظر کو وسیع کرتے ہیں اور ایک سوالیہ نشان کی صورت میں ہمارے سامنے آتے ہیں۔ وہ وقت اور اس میں بندھے ہوئے عمل کے دائرے سے نکلنا چاہتے ہیں۔ خالدہ حسین نے عورت کے عدم تحفظ، لاحاصلی اور بے بسی کو اپنے جدید علامتی اسلوب میں اس طرح ڈھالا ہے کہ ایک پڑھی لکھی عورت کے محسوسات اپنی تمام جزئیات کے ساتھ سامنے آ گئے ہیں۔ اس کے لئے پرانی تمام سمتیں مر چکی ہیں۔ وہ ایک نئی دنیا کے سامنے کھڑی ہے جس میں تفہیم اور پہچان کے تمام مروج حوالے منہدم ہو گئے ہیں۔

''اس روز جب وہ گھر پہنچی۔ ڈرامے کے لیے چارپائیوں سے بنا سٹیج تیار تھا۔ ہرے پلنگ پوش کا پردہ لٹک رہا تھا اور چھوٹا بڑی بے تابی سے اس کا انتظار کر رہا تھا۔

چل جلدی کر۔۔۔بس پندرہ منٹ ہیں۔۔۔

اور ریہرسل؟ اس نے جیسے کسی اندھے کنویں میں سے پوچھا۔

ارے ریہرسل کیسی؟ تُو تو گونگی شہزادی ہے۔ بس چپکے سے بیٹھی رہنا۔ سب کچھ خود ہی ہوتا

رہے گا۔
اس روز پہلی بار وہ پردہ اُلٹنے پر ہنسی کے مارے دہری نہ ہوئی۔
اور بعد میں چھوٹے نے اس کی اداکاری سے خوش ہو کر اسے ایڑی تلے چپکایا ہوا پیسہ دیا
کیونکہ آج ہاؤس فل گیا تھا۔''(۴)

ہمارے معاشرے میں متوسط طبقے کی عورت کے تمام سماجی اور عائلی کردار جن شرائط پر متعین کئے جاتے ہیں ان کی نشاندہی کرتے ہوئے ڈاکٹر سہیل احمد خان اپنے مضمون 'اپنے سائے سے ملاقات' میں خالدہ حسین کے حوالے سے لکھتے ہیں:

''خالدہ حسین کے افسانوں میں جو عورت درخت میں رو رہی ہے کیا ہم اسے آری سے کاٹ ڈالیں گے۔ کیا یہ درخت ہمارے اپنے ہی وجود میں نہیں؟ اور وہ عورت جو اس میں بند ہے، ہماری ذات اور غم گسار تخلیقی رویوں کی غماز نہیں؟ کیا ہم نے عورت کو بھی پرچھائیں بنا ڈالا ہے۔ ہم جو معصوم بچوں کو ہرے بھرے مکانوں اور جھگیوں کو اور کتب خانوں کو آگ میں بھسم کرنے نکلے ہوئے ہیں کیا اس حقیقت سے آشنا ہیں؟''(۵)

خالدہ حسین نے آج کے زمانے میں پڑھی لکھی عورت کی باطنی صورتحال پیش کی ہے۔ آج سے نصف صدی پیشتر کی عورت اپنے مسائل اور جذبات کے اظہار کے لئے بھی اجازت کی منتظر تھی۔ اب وہ زندگی کے کارزار میں موجود ہے اور اسے اپنے اندر اور باہر دونوں جہنموں کا سامنا ہے۔ اب وہ کم عقل مخلوق نہیں بلکہ باشعور اور صاحبِ ادراک ہے اور خالدہ حسین نے اس کے شعور وادراک کے دکھ اپنی کہانیوں میں پیش کئے ہیں۔

انتظار حسین، خالدہ حسین کے افسانوں کی انہی فکری جہات کے حوالے سے اپنے مضمون'' خالدہ حسین کی پہچان''، میں لکھتے ہیں:

''یہ زمین دوز کہانیاں ہیں۔ ہلچل اور ہنگامہ بہت ہے لیکن سب تہہ کے نیچے۔ اُوپر کی سطح پر خاموشی ہے۔ بے حرکتی ہے۔ یہ افسانے پڑھتے ہوئے ہم روزمرہ کے واقعات کی ہی دُنیا میں داخل ہوتے ہیں مگر بات یوں ہے کہ یہاں کوئی واقعہ خارج کی سطح پر گزر کر معدوم نہیں ہو جاتا۔ ہر واقعہ خارج کی سطح پر گزر کر داخل کی سطح پر گزرتا ہے اور ایک آشوب پیدا کرتا ہے۔''(۶)

ذات اور کائنات کی ان بھول بھلیوں میں راستہ تلاش کرتے ہوئے خالدہ حسین کے کردار دو سطحوں پر زندگی کرتے نظر آتے ہیں۔ ایک سطح وہ ہے جہاں کردار گرد و پیش کے مناظر، واقعات اور افراد سے سماجی طور پر منسلک ہے اور دوسری سطح وہ ہے جہاں وہ کردار باطن کی آنکھ سے بیرونِ ذات کا جائزہ لیتا ہے۔ معروضیت اور موضوعیت کے اس تانے بانے میں سارا ماحول غیر معمولی حساسیت اور معنویت کا

حامل لگتا ہے۔ خالدہ حسین نے انسان کی ذاتی اور معاشرتی زندگی پر اسی تناظر میں نظر ڈالی ہے اور اسے احساسِ فنا کے حوالے سے دیکھا ہے جس سے انسان کی روح آزاد ہونا چاہتی ہے۔

۱۔ ''تنہائی بہت محفوظ، بہت امان دینے والی ہے۔ آغوشِ مادر۔ مگر اس کے بعد جو تنہائی ہے۔ وہ لامحدود ہے۔ وہ خود وقت ہے۔ العصر۔ لا اِنتہا۔ پھیلتا۔ سب کو سمیٹتا۔''(۷)

۲۔ ''چنانچہ سوچ ایک فیصلہ ہے اور اس فیصلے سے بچنے کی خاطر وہ کونوں کھدروں میں دبکی پھری۔ یہ جانتے ہوئے بھی کہ دراصل ہر لمحہ ایک فیصلہ ہے اور وہ ہمہ وقت کٹہرے میں کھڑی ہے۔ پس فیصلوں سے محض اس صورت میں نجات پاسکتی ہے جب کہ خود لمحہ ہی سے، وقت سے نجات پا جائے اور وقت سے نجات پانا ناممکن ہے۔''(۸)

خالدہ حسین نے اپنی کہانیوں میں حقیقتِ زیست کو تلاش کرنے کی کوشش کی ہے۔ وہ حسیات کی گرفت میں آنے والے مناظر اور مظاہر پر غور کرتے ہوئے وجود کی مفاہیم کے اس جہت تک رسائی کی جستجو کرتی ہیں جو مابعد الطبیعیات کے زمرے میں شامل ہے۔ اس اعتبار سے ان کے افسانے زمانیت کے معروف مفاہیم کے پابند نہیں ہیں۔ کیونکہ ان میں معروضی حقیقت نگاری اور باطنی کیفیات کے بیان کو علامتی اور مابعد الطبعیاتی رنگ دے دیا گیا ہے۔ وہ انسانی نفسیات کی پیچیدگیوں اور داخلی کیفیات کے بکھراؤ سے تصویریں بناتی ہے اور زندگی کی بے معنویت کو علامت اور استعارہ کی آمیزش سے نئی معنویت عطا کر دیتی ہیں۔ شعور اور لاشعور، موجود اور ناموجود، اور ماضی و حال ان کے یہاں الگ الگ منطقوں سے بجائے ایک ہی لہر میں گھلے ملے نظر آتے ہیں۔

حوالہ جات

۱۔ دروازہ، خالدہ حسین، کراچی: خالد پبلی کیشنز، ۱۹۸۴ء، ص ۶۵

۲۔ مصروف عورت، خالدہ حسین، لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، ۱۹۸۹ء، ص ۱۷

۳۔ دروازہ، ص ۳

۴۔ پہچان، خالدہ حسین، لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، ۱۹۸۹ء، ص ۳۴

۵۔ طرفیں، ڈاکٹر سہیل احمد خان، لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، ۱۹۸۸ء، ص ۱۲۰

۶۔ علامتوں کا زوال، انتظار حسین، لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، ۱۹۸۹ء، ص ۲۳۲

۷۔ دروازہ، ص ۱۰۳